R. No. 2186/5

Regd. No. A. 927

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Telephone No. 2

Telegrams "ANJUMAN"

جلد ۲۱ شمارہ ۳۷ | ایڈیٹر۔ آل احمد سرور | علی گڑھ۔ یکم اکتوبر ۱۹۶۲ء

جاوید نہال

حیدری کی ایک غیر مطبوعہ تاریخ

حیدر بخش حیدری فورٹ ولیم کالج کے تنخواہ دار منشی تھے، وہ انیسویں صدی کے قدیم اردو نثر نگار میر امن دلی والے اور میر شیر علی افسوس کے ساتھ مثلث بناتے ہیں، کالج کے ان تین نثر نگاروں کو قبول عام نصیب ہوا اور اردو داں طبقے میں ان کو جتنی شہرت نصیب ہوئی، دوسروں کو نہیں۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ انیسویں صدی کے قدیم نثر نگاروں کے حالات تفصیل سے غالباً کسی بھی تذکرے میں نہیں ملتے، ان داستان گو منشیوں کے حالات اور سوانح حیات بھی ان کی غیر مطبوعہ تالیفات میں منتشر ملتے ہیں، اور ان کی بدولت ہم ان نثر نگاروں، جن کے احسان سے اردو کا نثری ادب دبا ہوا ہے، کے ادبی زندگی اور خاندانی حالات کی بابت کچھ جان سکے ہیں، حیدر بخش حیدری کی زندگی کا حال بھی اختصاراً ان کی کئی تالیفات میں خود ان کی زبان سے بیان ہوا ہے، مگر یہاں ان حالات کو اس لئے دہرایا نہیں جا رہا ہے کہ وہ لوگوں تک پہنچ چکے ہیں اور نفس مضمون سے بھی اس کا براہ راست تعلق نہیں ہے۔

حیدری نے فورٹ ولیم کالج کی ملازمت کے دوران مظہر علی خاں ولا کی طرح آٹھ دس کتابیں ترجمہ اور تالیف کیں، ان کی دو مقبول عام کتابیں، آرائش محفل یا ہفت سیر حاتم اور توتا کہانی[1] چھپ کر شائع ہوئیں اور ان کے کئی کئی ایڈیشن بھی نکلے، اور اب بھی یہ کتابیں لوگوں میں مقبول ہیں، مگر حیدری کی مفید، معلومات افزا اور ادبی لحاظ سے زیادہ عمدہ اور معیاری کتابیں، تاریخ نادری اور ہفت پیکر کو چھپنا نصیب نہ ہوسکا یہ صرف مخطوطات کی شکل میں ہندستان کی ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری میں محفوظ ہیں، اور ان پر گرد کی موٹی تہیں جمی ہوئی ہیں۔

حیدری کی تاریخی کتاب "تاریخ نادری" بھی ان کی اپنی تصنیف نہیں ہے بلکہ فارسی کتاب "تاریخ جہانگشائے نادری" کا ترجمہ ہے، میرا خیال ہے کہ حیدری کا یہ بڑا کارنامہ ہے، فارسی تاریخ نادری... تہران اور بمبئی سے چھپ کر مقبول ہو چکی ہے، لیکن اسے حیدری کی بدنصیبی کہہ لیجئے کہ ان کی یہ مفید اور کارآمد کتاب صرف مخطوطہ کی صورت میں زمانہ کے دستبرد سے بچ رہی ہے، یہ نادر شاہ کے عہد کی عمدہ اور قابل وثوق تاریخ ہے، جسے نادر شاہ کے وقائع نویس منشی محمد مہدی نے اپنے آقا کے ایما پر فارسی میں مرتب کیا تھا، حیدری نے تاریخ جہانگشائے نادری کا ترجمہ ۱۸۰۹ء میں مکمل کیا تھا، اس کے ترجمہ کا حال انہوں نے تاریخ نادری کے دیباچہ میں خود لکھا ہے،

> "میں معلوم کیا چاہیے کہ منشی محمد مہدی جو نادر شاہ بادشاہ کے حضور پرنور سے خدمت وقائع نویسی رکھتا تھا اور تاریخ نادری کو اس نے زبان فارسی میں بعض لغت ترکی سے تیار کیا تھا اب اس کتاب کو یہ حیدر بخش حیدری عہد حکومت میں عالی شان والا مناقب... منٹو گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ اور فرمانے صاحب عالیشان دست گیر بیچارہ خلق ادب شکسان جناب ولیم ٹیلر دام اقبالہ کے ۱۲۲۳ھ مطابق ۱۸۰۹ء زبان ہندی میں ترجمہ کیا اور نام اس کا وہی رکھا جاتا ہے۔"

دیباچے سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ولیم ٹیلر کے علاوہ ڈاکٹر منٹو نے بھی حیدری کو اس مفید تاریخ کا ترجمہ کرنے کی ترغیب دی تھی، حیدری نے دیباچے میں ٹیلر کے ساتھ ڈاکٹر ولیم منٹو کا بھی قصیدہ لکھا ہے، اور اس کا اعتراف کیا ہے کہ ان کی ہمت افزائی اور مشورے کے بعد انہوں نے اتنی بڑی کتاب کو ترجمہ کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا، اور ان کے مشورے پر اس کا مختصر مگر جامع نام "تاریخ نادری" تجویز کیا تھا۔

جیسا کہ لکھا گیا تاریخ نادری "نادر شاہ درانی" کے عہد کی دلچسپ اور معلومات افزا کتاب ہے، اس میں نادر شاہ کے عہد کے انقلاب پذیر حالات بے کم و کاست لکھے گئے ہیں، نادر شاہ درانی

---

[1] "توتا کہانی" حیدری نے ط کی بجائے ت سے ہی لکھا ہے۔

[2] واصلہ ہو تاریخ نادری ق ن، ورق ۳

ایک جابر اور ظالم حکمراں تھا۔ "خونریزی اور تاخت و تاراجی" اس کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ تخت نشینی سے اس کے زوال تک کی دلچسپ کے ساتھ ہلاکت خیز وارداتیں بھی مصنف نے بڑی ایمانداری سے بیان کی ہیں، نادرشاہ کے عہد میں ایران میں طوائف الملوکی سی پھیلی ہوئی تھی۔ ایران کا گوشہ گوشہ سازش اور ریشہ دوانیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اس کتاب میں بدحال ایران کی سیاسی قلابازی، انتشار، لوٹ کھسوٹ، بغاوت اور اقتدار کے لیے چھوٹی چھوٹی مملکتوں کے مابین آئے دن کی خونریز اور تباہ کن جنگ کی مکمل تصویر نمایاں ملتی ہے، اصل میں یہ تاریخی دستاویز کہی جا سکتی ہے۔

اس میں تشکک کی گنجائش نہیں کہ اس کتاب کا مصنف منشی محمد مہدی مرشد آبادی نادر شاہ کا ایک تنخواہ دار تھا، ہو سکتا ہے کہ اس نے نادرشاہ کی بعض برائیوں اور "وحشی خصوصیات" پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہو اور اس کے برخلاف اس کی شجاعت، سخاوت اور ذہانت کا حال بیان کرنے میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہو، لیکن نادرشاہ کے آخری ایام میں اس کے جنون، انسانیت سوز مظالم اور وحشیانہ اقدام کی جو داستان اس کتاب میں ملتی ہے اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ وقائع نویس نے اپنی نمک خواری اور ملازمت کے باوجود تلخ حقائق کے لکھنے میں بخل سے کام نہیں لیا ہے۔ غالباً تاریخ التواریخ کے بعد فارسی زبان میں (نادرشاہی عہد تک)، تاریخ جہانگشائے نادری ایک عمدہ اور مفید تاریخ سمجھی جاتی ہے اور نادرشاہ کے زمانہ کا مورخین کے لئے یہ "قابل اعتماد ماخذ" خیال کی جاتی ہے۔

اس کتاب میں ایران کی تباہی، معاشی بدحالی اور قتل و غارت گری کی واضح تصویر اتاری گئی ہے، اتنا عمدہ نقشہ دوسری کتابوں میں نہیں ملتا۔

> "افغانوں کے ظلم و ستم کی داستان [illegible] ایک طرف کے ترکستان کے [illegible] کی رستی کو [illegible] بلوچستان سے [illegible] سیاہ کر دیا تھا، [illegible] جگہ جگہ ایک بادشاہ کہلایا، چنانچہ ایک چھوٹے بڑے فتنہ و فساد وقوع میں آیا۔ (۱۱۳۵ھ) جمادی [illegible] کر اصفہان تک طائفہ غلجہ کا عمل ہوا، ہرات میں ابدالی کا [illegible] ولایت [illegible] کے تصرف میں آیا، فارس کو بارت [illegible] مرزا نام مجہول الحال و مجہول النسب نے [illegible] کرمان میں [illegible] محمد [illegible] کے نواسے یا پوتے نے دخل کیا، سلطان احمد خر سوار نے بلوچستان اور اطراف [illegible] تک لے لیا، حاجی عباس کے ہاتھ [illegible] نے پایا، خراسان ملک محمود سیستانی کو ملا، غرض ہر ایک صاحب دعویٰ و مستبد ہو گیا۔"۱؎

ایک عظیم ملک میں انتشار، لوٹ کھسوٹ اور سیاسی قلابازی کی اس سے عمدہ تصویر اور کیا ہو سکتی ہے، مصنف کا انداز بیان بڑا جاندار ہے، اور مترجم نے بھی ترجمے میں اصل کتاب کا زور برقرار رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔

تاریخ نادری میں ترکی الفاظ کی فرہنگ بھی بطور ضمیمہ شامل کر دی گئی ہے، جو بے حد مفید اور کارآمد ہے، افسوس ہے کہ حمید بخش دہلوی کی یہ مفید کتاب شرمندۂ اشاعت نہ ہو سکی اور اردو داں طبقہ اب تک ایک عمدہ اور دلچسپ تاریخ کے مطالعہ سے محروم ہے۔

تاریخ نادری میں جنگی مہمات، فتوحات اور شکست و پسپائی کے حالات ہی صرف من و عن نقل نہیں کئے گئے ہیں، بلکہ اس عہد کے ایران کی سماجی اور ثقافتی زندگی کے خاکے بھی جابجا ملتے ہیں، اس میں نادرشاہ کے کیرکٹر اور عادات کی بھی قلمی تصویر ملتی ہے۔ نادرشاہ صرف جابر اور ظالم بادشاہ ہی نہیں تھا بلکہ شکی المزاج بھی تھا، اس کے ہاتھوں تہذیب و ثقافت کا خون ہوا تھا، اس کا حال بھی بڑے عمدہ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔

> "جنگ داغستان میں لشکر ہمایوں اترا اور نشان شاہنشاہی پھرانے لگا، حضرت ظل الٰہی نے وہاں مقام کیا، لیکن بیٹھے بیٹھے وسوسوں اور گمان باطلوں کے باعث گھبرانے لگے، یہاں تک اندیشہ ناک ہوئے کہ اپنے قرۃ العین یعنی پیارے اور جہانبانی رضا قلی مرزا کو کہ اس جناب فیض مآب کا بڑا بیٹا تھا اور ولی عہد و خلف رشید کہلاتا تھا اپنی نظر کیمیا اثر سے گرا دیا، بے سبب اس نور دیدہ و سرور سینہ کے حدقہ چشم سے آنکھیں نکلوا کر اندھا کر ڈالا۔"۲؎ الخ

محض معمولی شبہہ کی بنا پر اپنے عزیز فرزند اور ولی عہد سلطنت کی آنکھیں نکلوا دینا انتہائی معیوب، انسانیت سوز اور بہیمانہ فعل ہی ہو سکتا ہے، اس کے تصور سے ہی تہذیب و تمدن کی آنکھیں شرم سے جھک جاتی ہیں، اور لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اقتدار اور سلطنت کی ہوس انسان کو خونخوار درندہ بنا دیتی ہے، جسے اپنے بیگانے اور بیگانے کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے۔ تاریخ نادری کے مصنف محمد مہدی کو بھی اپنے آقا کے اس انسانیت سوز عمل پر صدمہ ہوا تھا، لیکن اس کے اثر کو کم کرنے کی خاطر اس نے اس خونیں داستان کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ نادرشاہ نے یہ حرکت پاگل پن اور جنون میں کی تھی، اس واقعہ کے بعد وہ بالکل خالی الذہن ہو گیا تھا پاگلوں اور اس کے درمیان کوئی فرق نہیں رہا تھا، اور یہی جنون اس کے قتل اور اس کی عظیم سلطنت کے زوال کا باعث ہوا۔

نادرشاہ کو اپنی بربریت اور درندگی پر اس قدر پشیمانی اور ندامت ہوئی تھی کہ بقول مصنف تاریخ نادری:

> "اس غم و الم کے باعث حضرت ظل الٰہی کی آنکھوں میں بھی روز روشن شب دیجور کی مانند تیرہ و تار ہو گیا اور سودائے جنون نے دماغ جان میں گھر کیا۳؎"۔ الخ

تاریخ نادری کے خاتمہ میں نادر کے زوال اور قتل کی عبرتناک کہانی بیان کی گئی ہے:-

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

۱؎ تاریخ نادری قلمی نسخہ ورق ۵

۲؎ ملاحظہ ہو تاریخ نادری قلمی نسخہ، ورق ۴۵۳؛

۳؎ تاریخ نادری ق ن، ورق ۴۵۴؛

ہماری زبان

یکم اکتوبر ۱۹۶۲ء

گاندھی جینتی

۲ر اکتوبر کو گاندھی جی کا جنم دن ملک بھر میں منایا جائے گا

گاندھی جی نے ہندوستان کی ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کی جو گراں قدر خدمت کی ہے اُسے تاریخ کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔ انھوں نے نہ صرف ایک غلام ملک کو روحانی اور اخلاقی اصولوں پر چلنا سکھایا بلکہ ان اصولوں سے کام لے کر دنیا کی ایک بہت بڑی طاقت کے خلاف نبرد آزما کر دیا۔ اُنھوں نے ممولوں کو شہباز سے لڑانا سکھایا اور ممولوں میں شہباز کی قوت پیدا کی۔

گاندھی جی صرف ہمارے ہی نہیں ساری دنیا کے محسن ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج جہاں خوابوں اور حقایق میں کش مکش ہوتی ہے، جہاں انسانیت کو مشکل اور دشوار مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے، جہاں اندھی مادی طاقت کی وجہ سے روحانی اور اخلاقی صلاحیتوں کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے، وہاں گاندھی جی اور اُن کے پیام کی یاد آتی ہے اور دلوں کو گرمی اور نظروں کو روشنی عطا کرتی ہے

یوں تو گاندھی جی کی ملک میں بہت سی یادگاریں قائم کی گئی ہیں، راج گھاٹ پر تو ایک عظیم الشان عمارت اُبھر رہی ہے اور ہر شہر میں گاندھی مارگ بن جائیں گے مگر جب عمل کا وقت آتا ہے تو لوگ بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ گاندھی جی کے فلسفے کے متعلق دو رائیں ہو سکتی ہیں، مگر انھوں نے ملک کی جہالت، افلاس، بیماری کو دور کرنے کے لئے جو کچھ کیا ہے اس کے متعلق اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ انھوں نے حق و صداقت کا علم جس طرح بلند رکھا، کمزوروں کی جس طرح حمایت کی، پس ماندہ طبقوں کو جس طرح اُبھارا اور اُن کا حق دلانے کے لے جس طرح سرگرم رہے، ہندو مسلم اتحاد کے لئے جس طرح جان کی بازی لگادی آزادی کے بعد جب کچھ لوگ بدمست ہو کر ایک خونیں جشن منا رہے تھے یہ مردِ مجاہد، یہ رشی، یہ پیامبر صفات کا انسان، یہ کائنات کا محسن، ہندوستان کے دور افتادہ گوشوں میں امن اور رواداری کا کس طرح پیام دے رہا تھا، اور جب دہلی میں فساد شروع ہوا اور ہندوستان کا دل متاثر ہو گیا تو گاندھی جی نے دہلی آکر جس طرح انسانی قدروں کو بچایا اور فرقہ پرستی کے جس جہنم میں ملک کو کچھ لوگ دھکیل رہے تھے اُس سے جس طرح نکالا، کیا یہ باتیں بھلائی جا سکتی ہیں۔ گاندھی جی نے جس مقصد کی خاطر جان دی، کیا کوئی بھی سچا ہندوستانی اور اچھا آدمی اسے فراموش کر سکتا ہے، مگر افسوس ہے کہ ابھی تک اس قربانی کا پورا پورا احساس نہیں ہے اور اب بھی ہم فرقہ پرستی، ذات پات، علاقائی تعصبات اور لسانی آویزشوں سے آزاد نہیں ہو سکے ہیں۔ آج کے دن ہم میں سے ہر ایک کو عہد کرنا چاہیے کہ ہم ملک کے مفاد کو ہر حال میں ملحوظ رکھیں گے، قومی اور جمہوری نقطۂ نظر کو ہر حال میں اپنائیں گے، ہندوستان کی مشترک تہذیب کی ہر قیمت پر حفاظت کریں گے۔ ایک غیر مذہبی ریاست کی استواری میں ہر ممکن مدد دیں گے، ہم قومی زبانوں کے سرمائے کی قدر کریں گے اور کسی قومی زبان کے حقوق پامال ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو اس کے خلاف جدوجہد کریں گے۔ ہم ماضی کے قیمتی سرمائے کو آنکھوں سے لگائیں گے اور دل میں بٹھائیں گے، مگر حال کے تقاضوں اور مستقبل کی ضروریات کو کسی طرح نظر انداز نہ کریں گے، ہم ملک کو اخلاقی، سماجی، مادی، اور تہذیبی اعتبار سے دنیا میں سربلند ہونے کا موقع دیں گے ہم گاندھی جی کی یاد کو زندہ رکھیں گے اور اس یاد سے نئی زندگی اور نئی طاقت حاصل کرتے رہیں گے۔

کرپلانی رپورٹ

اور

انجمن ترقی اُردو

انجمن ترقی اُردو ہند کے جو ممبر اُتر پردیش لسانی کمیٹی کے ممبر تھے وہ انجمن کے رکن کی حیثیت سے ممبر نہیں بنائے گئے تھے اور نہ انجمن نے اُنھیں اس مقصد کے لئے نامزد کیا تھا۔ وہ اپنی ذاتی اور انفرادی حیثیت سے اس کمیٹی میں شریک تھے۔ اس لئے اُن کی ذاتی رائے کو انجمن کی رائے سمجھنا صحیح نہ ہوگا۔

انجمن کی مجلس عاملہ کا ایک جلسہ اکتوبر میں اس مسئلے پر غور کرے گا اور اس کی رائے ہماری زبان میں شائع کر دی جائے گی۔

آل احمد سرور

جنرل سکریٹری

انجمن ترقی اردو ساگر کی ششماہی رپورٹ

انجمن ترقی اردو کے شبینہ مدارس کے جلسے تقسیم اسناد میں جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ساگر نے انجمن کی ششماہی کارگزاری کی رپورٹ بھی پیش کی جس کے اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

انجمن مذکورہ کے مختلف منصوبوں کے ساتھ ساتھ گشتی لائبریری کا اہتمام و تعلیم بالغان کے سلسلے میں شبینہ مدارس کا قیام نہایت اہم سمجھا گیا۔ مذکورہ گشتی لائبریری جاری کرنے کے لئے سیٹھ منی بھائی پٹیل نے مبلغ پانچ سو ایک روپے کی گراں قدر رقم عطا فرمائی جس سے کتابیں، سائیکل و دیگر ساز و سامان فراہم کیا گیا۔ مرکزی لائبریری میں کتابوں کی تعداد روز افزوں بڑھتی جا رہی ہے۔ اردو ہندی اور انگریزی کی کتابوں کی مجموعی تعداد آٹھ سو (۸۰۰) تک پہنچ چکی ہے۔ تقریباً ایک سو پچاس کتابیں آج کل میں اور حاصل ہو جائیں گی۔ یہ کتابیں ہمارے موجودہ صدر سیٹھ پریم چند جی کی عنایات کا ثمرہ ہیں جنھوں نے (۲۵۱) دو سو اکاون روپے انجمن کی لائبریری کو عطا فرمائے۔

انجمن نے سب کاموں سے زیادہ تعلیم بالغان کے سلسلے کو اہمیت دی اور ترقی تعلیم کو ایک قومی ضرورت جان کر تعلیم بالغان کے شبینہ مدارس شہر کے اہم حلقوں میں بطور تجربہ کھولے۔ ان مدارس میں نوے طلبہ نے داخلہ لیا، اور ۸۰ امتحان میں شریک ہوئے سوائے ایک کے سب کامیاب ہوئے۔

ان شبینہ مدارس میں طلبہ سے کسی قسم کی فیس وغیرہ نہیں لی جاتی ہے سلیٹ، پنسل و دیگر ضروریات کی چیزیں انجمن اپنی طرف سے مہیا کرتی ہے۔ بعض طلبہ سے کتابوں کی قیمت بھی نہیں لی جاتی۔

جو طلبہ تعلیم بالغان کا نصاب پڑھ کر کامیاب ہوئے ہیں ان کے لئے انجمن نے ایک علیحدہ "لائبریری" بسلسلۂ تعلیم بالغان کھولنے کا بندوبست کر لیا ہے جو ہفتہ عشرہ میں جاری ہو جائے گی۔

جناب ... انصاری جو تعلیم بالغان کے بہت بڑے ماہر اور بین الاقوامی حیثیت رکھتے ہیں انجمن کی دعوت پر ساگر تشریف لائے۔ موصوف نے اساتذہ اور طلبہ کے سامنے اپنے جدید طریقۂ تعلیم کا مظاہرہ کیا۔ انجمن کے شبینہ مدارس کا معائنہ فرمایا اور اپنے بیش قیمت ہدایات اور مشوروں سے انجمن کو نوازا۔ کارکنان انجمن کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

انجمن کے مرتبہ پلانوں کے پیش نظر انجمن کے دفتر اور لائبریری کی عمارت کا مسئلہ نہایت ہی اہم ہے۔ انجمن کی عمارت کے لئے ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔ فراہمی زر کے لئے موثر قدم اٹھانا ہے۔ اگرچہ انجمن کے کارکنان ہر وقت مصروف کار ہیں پھر بھی یہ کام جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ انجمن اپنے ہمدردوں اور دوستوں سے اپیل کرتی ہے کہ انجمن کے اس عمارت فنڈ کو مضبوط اور مستحکم بنائیں۔

انجمن ترقی اردو دہلی

۱۵ ستمبر کی شام کو انجمن ترقی اردو شاخ دلی کی جانب سے حضرت جگر کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ مرکزی نائب وزیر اطلاعات و نشریات لالہ شام ناتھ صاحب نے جلسے کی صدارت فرمائی۔ جگر مرادآبادی مرحوم کی غزلوں سے جلسے کا آغاز ہوا۔ دلی کے مشہور ماہر فن فنکاروں اور آل انڈیا ریڈیو کے آرٹسٹوں نے جگر کی غزلیں دلآویز انداز میں پیش کیں۔

لالہ شام ناتھ صاحب نے حضرت جگر کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نصف صدی میں جگر نے اردو شعر و ادب کو جتنا متاثر کیا ہے اس کی دوسری مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے اور یہ ان کا ایسا کارنامہ ہے جو ہمیشہ ان کو زندہ رکھے گا۔ جگر کی شاعری پر اردو ادب جتنا ناز کرے بجا ہے جگر کے کلام کی وہ بڑی خوبی ہے کہ اس سے ایک عام آدمی بھی اسی طرح لطف اندوز ہوتا ہے جس طرح پڑھے لکھے لوگ اس سے لطف لیتے ہیں۔

پھر طرحی مشاعرہ ہوا۔ مصرع طرح یہ تھا:۔

"دیکھنا یہ ہے کہ ہم میں کوئی دیوانہ بھی ہے"

ڈاکٹر زور کا انتقال

۲۵ ستمبر کو سری نگر میں اردو کے مشہور ادیب اور محقق ڈاکٹر محی الدین قادری زور کا حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال ہو گیا۔ ڈاکٹر زور کشمیر یونیورسٹی میں شعبۂ اردو و فارسی کے صدر تھے۔

۲۶ ستمبر کو مرکزی انجمن ترقی اردو ہند کے دفتر میں ڈاکٹر زور کی وفات پر ایک تعزیتی جلسہ ہوا۔ اور ان کے سوگ میں دفتر بند رہا۔

انجمن ترقی اردو پنجاب

انبالہ چھاؤنی۔ شری ادم پرکاش فلک۔ جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ پنجاب نے اخبارات کے نام ایک بیان میں وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ سردار پرتاپ سنگھ سے قومی یک جہتی کے نام پر اپیل کرتے ہوئے کہا کہ "یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ پنجاب سرکار زبان کے معاملے میں ضد سے کام لے رہی ہے۔" انہوں نے یہ بھی کہا کہ اردو زبان کا چلن پنجاب میں صدیوں سے ہے۔ پنجاب کے لوگوں کی ادبی اور کاروباری زبان صرف اردو ہے۔ اور سرکاری کاموں میں آج بھی ہندوستانی زبانوں میں صرف اردو زبان ہی استعمال کی جا رہی ہے۔ اردو زبان ایک مشترکہ کلچر اور تہذیب و تمدن کی پیداوار ہے، اور ہندو سکھ اور ہندو مسلم اتحاد کی حامل ہے۔

وحید مرزا

شاہد صدیقی کی موت پر

شاہد رنگیں نوا تجھ کو صدا دیتے ہیں ہم
خونِ دل میں اپنے اشکوں کو بجھاتے ہیں ہم
غم کے انگاروں کو دامن کی ہوا دیتے ہیں ہم
بحرِ غم میں موجِ طوفاں کو جگا دیتے ہیں ہم
آہ! یہ احساسِ مرگِ ناگہاں کچھ اور ہے
جو اچانک آئے غم اس کا سماں کچھ اور ہے
یک بیک جیسے امنگوں کا جہاں خاموش ہو
کوئی شمعِ انجمن کے درمیاں خاموش ہو
منزلوں کے راستے میں گل ہوا کوئی چراغ
موسمِ گل میں لٹا ہے لالہ و گل کا ایاغ
ہنستے ہنستے بزمِ دوراں میں تجھے نیند آ گئی
موت کی تاریکیوں سے زندگی گھبرا گئی
انجمن نے کوکبِ شب تاب کوئی کھو دیا
پھر دکن نے گوہرِ نایاب کوئی کھو دیا
عہدِ گل میں تو چمن کو چھوڑ کر رخصت ہوا
انجمن سے اس طرح منہ موڑ کر رخصت ہوا
اک مسافر جیسے دل برداشتہ جاتا رہے
کوئی مہماں بادلِ ناخواستہ جاتا رہے
زہرِ غم پی کر بھی تو ہنستا رہا گاتا رہا
زندگی کو تیرے نغموں میں مزا آتا رہا
مہرباں کر جملۂ خاصانِ مے خانہ" تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ" تجھے

دو جدید گجراتی نظمیں

(ترجمہ: عادل منصوری)

چینو مودی

"خوش قسمتی"

چپ چاپ
(کہاں سے؟
کون جانے!)
سنہری
سورج کی ہلکی سی اک کرن
میرے تاریک کمرے کے
(برابر بند کئے ہوئے کمرے پر)
ہاتھ لگا کر چلی گئی
کوئی غم نہیں
خوشی ہے اس بات کی
کہ کسی کو تو
اس کمرے پر
آنے کا دل ہوا

"بڑھیا"

۔ کے بالوں میں
سفید ایسے بالوں میں
(آشاڈھ کی) دھوپ کھیل رہی ہے شام
۔ کی آنکھ گہری
(کھائی؟)
۔ کے ہاتھ میں باریک نتھی سوئی
(یاد جیسی نوکیلی)
۔ سی رہی ہے جو کپڑا
(اس کی زندگی جیسا)
تار تار!

غزلیں

بیگم ممتاز مرزا

آنکھ جلوہ آشنا ہے دل تمنا آشنا — عشق ہے کم بخت کتنا آگہی نا آشنا
جور کی خواہاں ہے ہر لحظہ یہ عنوانِ نظر — ہے بلائے جاں مری چشمِ تماشا آشنا
کیسی پُر رونق تھی دنیا کتنی دلکش زندگی — ہائے وہ دن جب مرا دل تھا تمنا آشنا
اُن کی محفل میں ہیں ہم بھی گل کی صورت سینہ چاک — جو چمن میں رہ کے ایسے ہو صبا نا آشنا
مژدہ اے خارِ مغیلاں پھر جنوں کے جوش سے — بعد مدت کے ہوئے ہیں پاؤں صحرا آشنا

شوق اثری

بہارِ گلستاں خیابانوں میں طاق ہے لیکن — مرے دامن میں پھولوں کی کمی کچھ اور کہتی ہے
جنونِ عشق کی حالت کوئی سمجھے تو کیا سمجھے — نگاہیں کچھ اور کہتی ہیں ہنسی کچھ اور کہتی ہے
یہ مانا تیرے میخانہ کا فیض عام ہے ساقی — مگر ہم میکشوں کی تشنگی کچھ اور کہتی ہے
سمجھ میں کس کی آسکتا ہے مفہومِ نظر ہمدم — ابھی کچھ اور کہتی ہے ابھی کچھ اور کہتی ہے
زمانے میں نہیں کوئی کسی کا سب یہ کہتے ہیں — مگر اے شوق میری سادگی کچھ اور کہتی ہے

کسار ہاشمی

ہم یہ کہتے ہیں نہیں آؤ گے تم ۔ شرط رہی — وعدہ کر کے بھی مکر جاؤ گے تم ۔ شرط رہی
رات دن خواب سا رہتا ہے کہ تمہیں میرا خیال — بھاگ کر خود سے کہاں جاؤ گے تم شرط رہی
ہر گھڑی ساتھ رہے گی مری یادیں میرا غم — اپنے سائے سے بھی گھبراؤ گے تم شرط رہی
چاندنی رات میں جب دل کا سکوں چھوٹے گا — دل میں کچھ درد سوا پاؤ گے تم شرط رہی
ہم نے دیکھے ہیں کئی عاشقِ صادق ہاشمی
چار ہی دن میں بدل جاؤ گے تم شرط رہی

آزاد کا خط گوپی چند نارنگ کے نام

لندن، ۳۰ اگست ۱۹۶۲ء

پروفیسر رالف رسل سے ملاقات کا شوق آج مجھے کشاں کشاں لندن یونی ورسٹی میں لے گیا۔ لندن یونیورسٹی انڈیا ہاؤس سے ذرا فاصلے پر ایک بہت بڑی عمارت میں واقع ہے۔ اس کے سامنے برٹش میوزیم ہے۔ خدا جانے ان دونوں میں میوزیم کونسا ہے اور یونیورسٹی کونسی۔ میرے نزدیک تو دونوں میوزیم ہیں اور دونوں یونی ورسٹیاں۔

طے شدہ وقت کے مطابق میں صبح دس بجے اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز میں جا پہنچا۔ پروفیسر رسل کوئی دس پندرہ منٹ کے بعد تشریف لائے۔ آتے ہی بڑی محبت سے مصافحہ کیا، اور اردو میں کہنے لگے معاف کیجیے گا۔ مجھے کچھ دیر ہو گئی ہے۔ میں ایسیکس میں رہتا ہوں جو یہاں سے چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے دفتر میں لے گئے جو اسکول سے ملحق ایک عمارت میں ہے۔ تھوڑی دیر وہاں بات چیت رہی۔ عزیز احمد کے متعلق میں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ کینیڈا چلے گئے ہیں۔ وہاں ایک یونیورسٹی میں انھیں اردو پروفیسر کی جگہ مل گئی ہے۔ اُن کی جگہ ڈاکٹر عبادت بریلوی آ رہے ہیں۔ عبادت صاحب غالباً اکتوبر کے شروع میں لندن پہنچ جائیں گے۔

اسی دوران میں "آج کل" اور عرش ملسیانی کا ذکر رسل صاحب نے کیا۔ ریڈیو کا ذکر آیا تو سہیل عظیم آبادی، ساغر، روش اور کمال احمد صدیقی کے بارے میں پوچھتے رہے۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ وہ ہندوستان کے اردو ادیبوں اور شاعروں کے متعلق بڑی اچھی واقفیت رکھتے ہیں۔ انھیں یہ بھی معلوم ہے کہ کون کہاں ہے اور کون کہاں۔

انھوں نے آپ کے خط کا ذکر کیا اور کہا کہ یونی ورسٹی ان دنوں بند ہے اور اس وقت کھلے گی جب میں یہاں سے جا چکا ہوں گا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اردو طلبہ کی تعداد یہاں بہت ہی کم ہے۔ اس وقت صرف ایک ہی طالب علم ہے۔

پروفیسر رسل نے بات چیت کے دوران میں میرے ہاتھ میں "گائڈ ٹو لندن" نامی کتاب دیکھی تو کہنے لگے "آپ لوگ لندن میں آکر ہم سے زیادہ لندن دیکھ لیتے ہیں"۔ میں نے کہا ہر جگہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ لوگ امریکہ، یورپ اور برطانیہ سے تاج محل دیکھنے کے لئے آگرہ آتے ہیں اور سیکڑوں آدمی نے آگرے میں قیام کے باوجود ابھی تک تاج محل نہیں دیکھا۔ اس پر انھیں بے حد حیرت ہوئی اور جب میں نے یہ کہا کہ ساحر لدھیانوی نے جن کی نظم "تاج محل" ساری اردو دنیا میں مقبولیت حاصل کر چکی ہے آج تک تاج محل نہیں دیکھا تو انھوں نے زور سے ایک قہقہہ لگایا اور کہا کہ ادبی دنیا میں اس سے بڑا لطیفہ اور نہیں ہو سکتا۔

اس ملاقات میں اقبال اور اس کی شاعری بھی موضوعِ گفتگو رہی۔ شکوہ اور جوابِ شکوہ کا ذکر آیا تو میں نے انھیں وہ مصرعے اور اشعار بھی سُنائے جو بعد میں اقبال نے اپنی ان نظموں سے خارج کر دئے تھے یا جن میں انھوں نے تھوڑی بہت تبدیلیاں کر دی تھیں۔ وہ اقبال کا یہ نایاب کلام سُن کر بہت خوش ہوئے سرور صاحب کی خیریت کے متعلق وہ دیر تک پوچھتے رہے۔ خواجہ احمد فاروقی کا ذکر بھی آیا اور قمر رئیس کا بھی۔

مجھے یہ دیکھ کر مسرّت آمیز حیرت ہوئی کہ ہم نے دہلی میں اُردو اخبارات اور کتابوں کی جو نمائش کی تھی اس کے متعلق بھی انھیں اطلاعات حاصل تھیں۔ اس نمائش کا ذکر آیا تو وہ ہندوستان میں اُردو صحافت کی رفتار و ترقی کے متعلق بڑی دیر تک مجھ سے تفاصیل پوچھتے رہے۔ انھوں نے اکثر اخبارات کے نام اور پتے مجھ سے پوچھ کر اپنی ڈائری میں نوٹ کر لئے۔

اس کے بعد ادبی جرائد کی بات چلی۔ اُن کا خیال تھا کہ حکومت اُردو کا صرف ایک ہی رسالہ نکال رہی ہے۔ "آج کل" میں نے انھیں بتایا کہ یہ رسالہ مرکزی حکومت کا ہے اس کے علاوہ یوپی، پنجاب، کشمیر اور آندھرا پردیش کی حکومتیں بھی اُردو ماہنامے شائع کر رہی ہیں۔ انھوں نے کہا میں یہ سب اپنی لائبریری میں منگواؤں گا۔ چنانچہ میں "نیا دور" "تعمیر" "آندھرا پردیش" اور "پاسباں" کے نام اور پتے انھیں لکھوا دئے۔ "اُردو ادب" "نگار" اور "سب رس" ان کے یہاں پہلے ہی سے آتے ہیں۔ "صبا" حیدرآباد "سوغات" بنگلور "شاعر" بمبئی اور "صبح نو" پٹنہ کا پتہ میں نے انھیں دے دیا۔

اُردو اخبارات اور رسائل سے ان کی اس قدر دلچسپی دیکھ کر میں نے اُن سے وعدہ کیا کہ ہندوستان پہنچ کر میں آپ کو وہ سارا مواد بھیجوں گا جو ہم نے اُردو اخبارات اور کتابوں کی نمائش کے سلسلے میں شائع کیا تھا۔

گفتگو کے دوران میں انھوں نے کہا کہ چلئے کافی پینے چلیں چنانچہ اُن کے کمرے سے نکل کے ہم لوگ یونیورسٹی کافی ہاؤس میں آئے۔ یہاں لندن میں میرا تجربہ یہ ہے کہ کافی کے ساتھ کچھ کھانے کا رواج نہیں ہے لیکن رسل صاحب نے کافی کا آرڈر دے کر ہندوستانی طریقے کے مطابق مجھ سے پوچھا کافی کے ساتھ آپ کچھ کھائیں گے؟ آپ کو ناشتہ کئے بہت دیر ہو گئی ہو گی۔

یہ ملاقات کوئی ڈیڑھ گھنٹے تک رہی اور اس ملاقات کے دوران میں ساری بات چیت اُردو ہی میں رہی۔ مجھے ایک لمحے کے لئے بھی یہ گمان نہ ہوا کہ میں لندن میں بیٹھا ہوا ایک انگریز سے بات چیت کر رہا ہوں۔ پروفیسر رسل کا لب و لہجہ قابلِ تعریف حد تک ہندوستانی ہے۔

جگن ناتھ آزاد

مراسلات

"دکن ریویو"

مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے رسالہ دکن ریویو کے بارے میں "ہماری زبان" علی گڑھ یکم فروری ۱۹۶۲ء میں جناب نصیرالدین ہاشمی کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں صاحب موصوف نے دکن ریویو کے تین شماروں کا تعارف کرایا تھا جو سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں محفوظ ہیں۔

مضمون کی اشاعت کے بعد ۲۲ فروری ۶۲ء کی ہماری زبان میں محمد بشیر الحق دسنوی صاحب کا ایک مراسلہ شائع ہوا جس میں انھوں نے بتایا تھا کہ دکن ریویو کے کچھ شمارے پٹنہ کی کسی لائبریری میں محفوظ ہیں اور وہ جلد ہی اس سلسلے میں اپنی تحقیق ہماری زبان میں پیش کریں گے۔ دسنوی صاحب نے اس کے بعد ۲۲ اپریل ۶۲ء کے ہماری زبان میں اپنی تحقیق بابت دکن ریویو پیش کر دی۔ صاحب موصوف کا یہ تعارف اگرچہ ایک حد تک مکمل تھا لیکن تیسری جلد کے دو شماروں نومبر اور دسمبر ۱۹۰۶ء کے نہ ہونے سے تعارف نامکمل ہی رہا تھا۔

"فروغ ادب لائبریری" رامپور میں دکن ریویو کے ۱۹۰۵ء و ۱۹۰۶ء کے کچھ منتشر رسائل ہیں۔ دسنوی صاحب کے مضمون کے آجانے کے بعد میں نے فروغ ادب لائبریری کے ذخیرے کو دیکھا تو معلوم ہوا لائبریری کے ذخیرے میں تیسری جلد کا پہلا شمارہ یعنی نومبر ۱۹۰۶ء موجود ہے لیکن دوسرا شمارہ دسمبر ۱۹۰۶ء نہیں ہے۔ بہرحال اس سلسلے کو کسی حد تک مکمل کرنے کے لئے اس شمارے کا تعارف حاضر کئے دیتا ہوں۔

ابتدا میں سلطان مسقط کی تصویر شامل ہے۔ اس کے بعد اڈیٹوریل ہے اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ دکن ریویو جنوری ۱۹۰۴ء سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اڈیٹر کے قلم سے اس بارے میں یہ لائنیں لکھی ہوئی ملتی ہیں۔

"اس نمبر سے دکن ریویو اپنی نئی زندگی کے تیسرے برس میں قدم رکھتا ہے اور اگر جنوری ۱۹۰۴ء سے حساب لگایا جائے جو سن پیدائش ہو تو اس کی عمر کے چھٹے سال کے آغاز میں صرف ایک مہینہ باقی رہ جاتا ہے۔"

دیگر مضامین نظم و نثر کی تفصیل اس طرح ہے :-

"شب معراج" مولانا سید علی حیدر طباطبائی - پروفیسر نظام کالج حیدرآباد دکن

"کچھ جگ بیتی کچھ آپ بیتی" ہز ایکسیلنسی یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد بہادر

جذبات آزاد مولانا فضل حق صاحب آزاد پٹنہ

تصوف کی تاریخ (۱) اڈیٹر

سید محمود آزاد (۲) مرسلہ سید رضا علی وحشت کلکتہ

غزل سید رضا علی وحشت کلکتہ

"بیکاری کے چند گھنٹے" مولوی سید جواد علی صاحب جتی دارالعلوم ندوہ حیدرآباد دکن

تاریخ طغیانی رود موسی - مولانا سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی

شب معراج مولانا طباطبائی کا قصیدہ ہے جس کے کچھ شعر ذیل میں پیش کرتا ہوں۔ اس قصیدے سے پہلے اڈیٹر دکن ریویو نے اردو شاعری کی مختصر تعریف کرتے ہوئے قصیدے کا تعارف بھی کرایا ہے۔ ؂

صدف کا خاتم شب جس صدر اسلہ دُر عدن — ہے تاجر فلک میں یا مرکب دریائے جیس
چتوں میں ہیں افسوں گری رفتار ہے جادوگری — غمزے ادا بیباکیاں زنگی اور ایسا ناز میں
یہ جھوم کر آنا بھی کچھ چال مستانہ بھی ہے — دریا یہ لہراتا بھی ہے بکھرا کے زلف عنبریں

"کچھ جگ بیتی کچھ آپ بیتی" کے عنوان سے مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد کی ایک اردو غزل اور ایک فارسی غزل شامل ہے۔ نمونہ غزلیات حاضر ہے۔ ؂

نہ غنچے باغ میں چٹکے نہ چہکی کچھ ہزار اب تک
چمن کا رنگ پھیکا ہے نہیں آئی بہار اب تک
ہزاروں کی تمنائیں تو لے خواجہ ہوئیں پوری
مگر یاں اک دل ناشاد ہے امیدوار اب تک

فارسی غزل کا مطلع ہے : ؂

چشم فرسش راہ شد در انتظار کیستم
شوق پابوسی ست من امیدوار کیستم
عکس مرأت حقیقت گشت چوں ہر دو جہاں
غرق حیرت گشتہ ام آئینہ دار کیستم

جذبات آزاد - فارسی غزل ہے۔ اس غزل کے تعارف میں بھی اڈیٹر صاحب نے مختصر طور پر تعارف کرایا ہے۔ لکھتے ہیں "ہمارے ناظرین نے غالب کی وہ مرصع غزل تو دیکھی ہوگی جس کا مطلع ہے ؂

تا ہم زدل برد کا فر ادائے — بالا بلندے کوتہ قبائے

حضرت آزاد کی اس غزل کو بھی ملاحظہ فرمائیں ؂

دل برد از ما رعنا جوانے — بالا بلندے سرو روانے
رنگیں قبائے قاتل ادائے — آشوب دہرے آرام جانے
یا خوبرو نے سن پاکیزہ خوئے — باریک موئے لاغر میانے
شکر فشانے یا تلخ گوئے — شیریں زبانے شیوا بیانے

تصوف کی تاریخ - یہ مضمون پروفیسر رینالڈ اے نکلسن کا لکھا ہوا ہے اور اس کا اردو ترجمہ اڈیٹر کے قلم سے نکلا ہے۔ ترجمہ بہت رواں دواں ہے اگر مصنف کا نام اڑا دیا جائے تو یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ ترجمہ ہے یا طبع زاد ہے۔ اس کے بعد سید رضا علی وحشت مرحوم کی غزل ہے چند شعر بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں ؂

نہ اٹھائے خروش سحر گہی غم نیم شب تو اثر نہ کر
ہے دل اس کا نازک و بے خبر اسے میرے دل کی خبر نہ کر
ہے یہی خلش مری زندگی کہیں مٹ نہ جائے یہ چارہ گر
مری زیست کا جو خیال ہے تو علاج زخم جگر نہ کر
ہے تغافل ایک ادا و لے یہ سکھایا کس نے بھلا تجھے
کہ کسی ستم کش شوق پر کبھی بھول کر بھی نظر نہ کر
خلش امید بھی ہے ستم کوئی کہہ دے وحشت خستہ سے
کہ یہ شام شام فراق ہے عبث آرزوئے سحر نہ کر

سید محمود آزاد (۲) مرسلہ سید رضا علی وحشت کلکتہ ہے۔ یہ دوسری قسط ہے اس کی پہلی قسط دکن ریویو کے شمارہ ۱۲ جلد دوم میں شائع ہوئی تھی۔ دوسری قسط کے چند شعر اس وقت حاضر ہیں۔ ؂

کس نے کہا کہ آتے ہیں دشمن کے گھر جناب — اپنی نظر سے گر گئے تو میری نظر سے آپ
کس نے کہا کہ قائل اغیار آپ ہیں — دشمن کا شکوہ کرتے ہیں کیوں میرے سامنے
امید قدر کیا ہو خریدار سے بھلا — شرمندہ ہم ہیں اپنے متاع ہنر سے آپ
آجائیں میکدہ میں جو واعظ تو سیر ہو
منبر یہیں دھرے ہوئے کس کو فرشتہ آپ

شیوۂ پرسش احباب ستم ہے ہم کو　　کیا کہیں ہائے کہ کس شوخ کا غم ہے ہم کو

"بیکاری کے چند گھنٹے" عنوان سے کچھ زیادہ وضاحت نہیں ہوتی لیکن جب آپ اس مضمون کا مطالعہ کریں تو معلومات کا خزینہ پائیں گے۔
مقالہ نگار نے ایک جدت یہ بھی کی ہے کہ آخر میں ایک چارٹ بھی شامل کر دیا ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دنیا کے مشہور لوگ ابتدا میں کتنے معمولی تھے لیکن اپنی انتھک کوششوں سے وہ کس قدر بلند مقام کے مالک بن گئے۔ مقالہ نگار نے اپنے مقالے میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ بیکاری کے اوقات میں بھی کام کرتے رہنا چاہیئے تاکہ کامیابی قریب سے قریب تر ہو جائے۔ مثال میں چند نام اسی مقالے سے پیش کرتا ہوں۔ "آرکرائٹ رچرڈ" ایک حجام تھا۔ اپنے کام اور گھر کے کام سے فارغ ہونے کے بعد ایجاد اور اختراع کی ادھیڑ بن میں لگ جاتا تھا آخر کار نتیجہ یہ نکلا کہ سوت کاتنے کے آلہ کا موجد بنا۔ اسی طرح ایڈورڈس معمار تھا۔ کرنی (بسولی؟ آلات تعمیر) ہاتھ میں ہوتی اور کتاب جیب میں، ایک منٹ کا موقع بھی ملتا تو مطالعہ کرنے لگتا۔ پیشہ کی مناسبت سے اس کا رجحان ریاضی و ہندسہ کی جانب تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ مشہور مہندس اور ریاضی داں مشہور ہوا۔
اسی طرح دسیوں مثالوں کے ذریعہ یہ ثابت کیا کہ انسان کو اپنے قیمتی وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیئے بلکہ کام کرتے رہنا چاہیئے۔
رسالہ کے آخری صفحہ پر اکبر الہ آبادی مرحوم کی تاریخ طغیانی رود موسیٰ شامل ہے۔ ایڈیٹر دکن ریویو نے ابتدا میں بطور تعارف چند لائنیں بھی لکھ دی ہیں۔
بعض تاریخی مادوں کے متعلق بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ ہاتف غیب نے انہیں اپنے آسمانی قلم سے صحیفۂ اعجاز پر ازل سے لکھ دیا ہے اور جب ضرورت پڑتی ہے تو سچے شاعر کے دل پر اس کا القا کر دیتا ہے۔ پچھلے نمبر میں مولانا ابوالحکمت کی تاریخ حیدرآباد شد غرق آواز آمد کا شمار اسی قسم کے اعجازی مادوں میں ہے۔ یہ پرچہ شائع ہوا ہی تھا کہ ہمارے مخدوم محترم مولانا سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی کا گرامی نامہ اسی مادہ کو خلعت توارد پہناتا ہوا وصول ہوا جو درج ذیل ہے:-

کرمی

یہ عجیب بات ہے کہ دکن کے غرق ہونے کا واقعہ خود اپنی تاریخ ہے یعنی "حیدرآباد دکن غرق شد" میں ۱۹۰۸ء بلا تعمیہ و تخرجہ ہوتے ہیں۔ تاریخ کے لئے دوستوں میں سے اکثر نے کہا میں نے یوں موزوں کر دیا ہے

دوستوں میں سے جو تاریخ کی اکثر نے کہا　　"حیدرآباد دکن غرق شد" اکبر نے کہا

سرکار دولت جو توجہ مصیبت زدگوں کی امداد پر ہو رہی ہے وہ دلوں کے غم میں کمی کر دیتی ہے۔

سید اکبر حسین

دکن ریویو کے سلسلے کو مکمل کرنے کے لئے اب صرف ایک مہینے کا شمارہ یعنی دسمبر ۱۹۰۸ء باقی رہ جاتا ہے۔ اب تک کی تحقیق سے وہ شمارہ نہ تو سالار جنگ میوزیم میں ملتا ہے اور نہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں مل سکا ہے۔ فروغ ادب لائبریری رائچور میں نومبر ۱۹۰۸ء کا شمارہ تھا، اس کا مختصر تعارف آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ دسمبر کے شمارے کے مندرجات کے بارے میں وثوق سے تو کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔ مگر مضمون "بیکاری کے چند گھنٹے" نومبر کے شمارے میں مکمل نہیں ہے اس لئے اس کی دوسری قسط لازمی دسمبر کے شمارے میں شامل ہوئی ہوگی۔

(سلطان اشرف)

مشکل ہندی

بہت دنوں سے ہندی داں طبقہ محسوس کر رہا ہے کہ ہندی غیر معمولی طور پر مشکل پسندی کی طرف مائل ہے۔ لہٰذا اسے آسان اور عام فہم بنانے کی کوشش کی جانی چاہیئے۔ ملک کے بیشتر لیڈران نے اس سلسلے میں اظہار خیال کیا ہے اور خود نہرو جی کئی بار ریڈیو کی مشکل پسند ہندی کے خلاف احتجاج کر چکے ہیں۔
۸ر اگست کے "ہماری زبان" میں بھی بہار اسمبلی کے اسپیکر شری ایل این سدھانو کی تقریر کا اقتباس شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے کہا تھا کہ ہندی کو "زندہ زبان" بنانے کے لئے اس میں دوسری زبانوں کے الفاظ شامل کرنے چاہیئیں نیز انھوں نے آل انڈیا ریڈیو کی نئی پالیسی جس کے مطابق ہندی کو عام فہم اور آسان بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے، کی حمایت بھی کی تھی۔
اتفاق سے کل ہی ایک صاحب میرے پاس آئے جو ماشاء اللہ گریجویٹ تھے۔ انھوں نے مجھ سے چند ہندی الفاظ کا ترجمہ پوچھا۔ غالباً وہ کسی فارم کی خانہ پُری کر کے ملازمت کے لئے درخواست دینا چاہتے تھے۔ لیکن جب انھوں نے یہ الفاظ دہرائے "بیوار راج پتھ پریواہن نگم" تو میرے ہوش اُڑ گئے۔ بہر حال مجھے بغلیں جھانکنی پڑیں کیونکہ ہندی بہت "گاڑھی" تھی۔ اس کے بعد انھوں نے آگے دریافت کرنا چاہا کہ "ویدیارک پرشکشر" کا "ویورنٹر" کا کیا مطلب ہے تب بھی مجھے پشیمان ہونا پڑا۔ غالباً وہ میری مجبوری تاڑ گئے لہٰذا آگے کچھ نہ پوچھا اور صفائی کے طور پر بتانے لگے کہ ان الفاظ کے معنی انھوں نے ایک مقامی کانگریسی نیتا شری گھنشیام داس (جو کافی پڑھے لکھے آدمی ہیں) سے بھی دریافت کیا تھا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس کے بعد انھیں کسی نے میرے پاس آنے کا مشورہ دیا تھا۔ ویسے میں نے بی اے تک ہندی پڑھی ہے۔
ان کے جانے کے بعد میں دیر تک سوچتا رہا کہ درخواست کے فارم پر اتنی مشکل ہندی استعمال کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ کیا اس طرح ہندی کو فروغ حاصل ہو سکتا ہے؟ جب امیدوار تحریر کا ٹھیک ٹھیک مطلب ہی نہ سمجھ سکے گا تو صحیح خانہ پُری کس طرح ہو سکے گی؟
بہار اسمبلی کے اسپیکر شری ایل این سدھانو کو چاہیئے کہ سب سے پہلے عملی اقدامات کریں اور جہاں کہیں اس قسم کی ہندی ملے اسے آسان بنانے کے احکامات جاری کئے جائیں ورنہ پھر ہندی کا اللہ مالک ہے۔ جب ایک گریجویٹ اس ہندی کو سمجھنے سے قاصر رہا تو کم تعلیم یافتہ ڈرائیور، کلرک، چیکر اور کنڈکٹر وغیرہ اس ہندی کو کیا سمجھیں گے جب کہ تمام لوگوں کی تقرری کے لئے ایک ہی فارم ہے۔

(ظہیر غازی پوری۔ بی۔ اے)

کُل ہند اُردو کانفرنس جے پور

اغراض و مقاصد

(۱) اُردو کو ہندوستان میں اس کا جائز حق و مقام دلوانا۔
(۲) اُردو کے متعلق غلط فہمیاں دور کرنا۔
(۳) ریاستوں اور مرکزی حکومت کے جاری کردہ احکام پر ان کے اہلکاروں کی جانب سے واقعی عمل کرانے کی تدابیر پر غور و عمل۔
(۴) مادری زبان کی تعلیم میں جو دشواریاں درپیش ہیں اُن کا دفعیہ اور آسانیوں کی بہم رسانی۔
(۵) اُردو دوستوں کو اُردو کے موجودہ مسائل و حالات سے باخبر کرنا اور اُن میں عام بیداری پیدا کرنا۔
(۶) دیگر امور مفید اُردو۔

پروگرام

۲۴ر نومبر ۱۹۶۲ء

(۱) ۹½ بجے دن سے ۱ بجے دن تک	افتتاح کانفرنس
(۲) ۳ بجے دن سے ۴ بجے شام تک	افتتاح نمائش
(۳) ۴ بجے دن سے ۵½ بجے شام تک	ڈیلیگیٹ سیشن
(۴) ۷½ بجے شام سے ۱۰½ بجے شب تک	کھلا اجلاس
(۵) ۱۰½ بجے شب سے	مشاعرہ

طرح: اب تک تو جس زمیں پہ رہے آسماں رہے۔ قافیہ آسماں، ردیف رہے
تعداد اشعار غزل (مع مطلع و مقطع) ۹ تک
تعداد اشعار نظم ۱۳ تک
عنوان نظم حسب پسند شاعر
نوٹ:- سیاسی اشعار سے اجتناب ضروری ہے۔
نیز ذاتی و مذہبی تعریضوں سے پرہیز لازمی۔

۲۵ر نومبر ۱۹۶۲ء

(۱) ۹ بجے صبح سے ۱۲ بجے دن تک	ڈیلیگیٹس سیشن
(۲) ۳ بجے دن سے ۵ بجے شام تک	ایضاً
(۳) ۷½ بجے شام سے ۹½ بجے شب تک	کھلا اجلاس
(۴) ۹½ بجے شب سے	مشاعرہ

مالیاتی کمیٹی کا جلسہ

جے پور۔ ۲۴ر ستمبر ۶۲ء کو پانچ بجے شام کل ہند اُردو کانفرنس کی مالیاتی کمیٹی کا ایک جلسہ دوارکا لال صاحب بیاس سابق ریونیو منسٹر (راجستھان) کی کوٹھی پر منعقد ہوا۔ جلسے میں معززین شہر کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات نے خصوصی طور پر شرکت فرمائی۔ الطاف احمد صاحب خیری، سید احمد علی شاہ قمر جعفری، افتخار علی صاحب تبسم، ظفر علی علوی ایڈووکیٹ، حاجی نور محمد صاحب مالک لاریز، ڈاکٹر رام سنگھ، محمد سلام، سردار دلیپ سنگھ، سردار ... سنگھ، مولوی احترام الدین احمد شاغل، سوامی روشن چند شرما، پیرجی حبیب احمد صاحب، دلارام جی۔

چندہ کی فراہمی اور اس کے طریقۂ کار پر تبادلۂ خیالات ہوا۔ نیز راجستھان کے دیگر مقامات سے چندہ حاصل کرنے کا پروگرام بھی طے کر لیا گیا۔
(ظہیر الدین تجلی عثمانی)

اُردو کے ناشروں سے

مندرجہ ذیل خط جنرل سکریٹری انجمن ترقی اُردو (ہند) نے اُن تمام ناشروں کے نام بھیجا ہے جن کے پتے معلوم تھے۔ ممکن ہے بعض ایسے مصنفوں کو جو خود ناشر ہیں یا کسی مشہور ناشر کے نام بھول چوک سے یا ڈاک خانے کی کوتاہی سے یہ خط نہ پہنچے۔ ایسی صورت میں اس تحریر ہی کو باضابطہ اطلاع تصور فرما کر جواب سے ممنون فرمائیں۔

اس سال انجمن کی کل ہند اُردو کانفرنس جے پور میں ۲۴-۲۵ نومبر کو ہو رہی ہے۔ اس میں سن ۶۰، ۶۱، ۶۲ کی شائع شدہ اُردو کتابوں کی نمائش بھی ہوگی۔ انجمن ترقی اُردو اور مجلس استقبالیہ کتابوں کی پوری حفاظت اور اچھی ترتیب کا خاص اہتمام رکھے گی۔ توقع ہے کہ آپ اس نمائش میں اپنی کتابیں ضرور بھیجیں گے۔

براہ کرم امور ذیل ملحوظ خاطر رکھیے۔

۱۔ کتابیں براہ راست سکریٹری نمائش کمیٹی کل ہند اُردو کانفرنس تسلیم منزل، جے پور کے پتے پر بھیجی جائیں۔
۲۔ بلٹی کے ساتھ ایک فہرست جے پور بھیجی جائے، دوسری مرکزی انجمن ترقی اُردو (ہند)، علی گڑھ۔ کتابوں کے بڑے پیکٹ ریل سے بھیجے جائیں۔ اخراجات نمائش کمیٹی ادا کرے گی۔
۳۔ کتابیں زیادہ سے زیادہ ۱۰ نومبر ۶۲ء تک جے پور پہنچ جانی چاہئیں۔
۴۔ کتابیں مجلس استقبالیہ اپنے اخراجات سے بہ حفاظت تمام ناشروں کو واپس کر دے گی۔ یا جن ناشروں کی اجازت ہوگی ان کی کتابیں نمائش ختم ہونے پر فروخت کر دی جائیں گی اور جو کتابیں بکنے سے رہ جائیں گی واپس کر دی جائیں گی۔ فروخت شدہ کتابوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ناشرین کی خدمت میں ارسال ہوگی۔
۵۔ براہ کرم اس خط کے جواب سے جلد مطلع فرمائیے تاکہ نمائش کے نقشے میں آپ کے لئے جگہ مخصوص کر دی جائے۔ خط میں اگر یہ بھی بتا دیا جائے کہ کس سائز اور حجم کی کتنی کتابیں آپ بھیجیں گے تو منتظمین نمائش کو نقشہ بنانے میں سہولت ہوگی۔
۶۔ کتابیں بھیجنے کی آخری تاریخ ۱۰ر نومبر ہے، آپ جس قدر جلد بھیجیں گے اسی قدر کام کرنے والوں کی سہولت کا باعث ہوگا۔

یوم ظفر

آل انڈیا ظفر اکاڈمی (وارانسی) ۱۳ اکتوبر تا ۱۱ نومبر ہندوستان گیر پیمانے پر یوم ظفر منا رہی ہے۔ مسٹر شیام ناتھ نائب وزیر اطلاعات مرکزی حکومت نے اکاڈمی کی سرپرستی منظور فرمائی ہے اور جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نائب صدر مملکت جمہوریہ ہند نے اکاڈمی کو بغرض اشاعت حسب ذیل پیغام ارسال فرمایا ہے۔

آغا منظر

نائب صدر مملکت جمہوریہ ہند کا پیغام

بہادر شاہ ظفر ہماری پرانی متحدہ قومی محفل کی آخری شمع تھے جسے غیر ملکی استبداد نے گل کر دیا تھا۔ ان کی جلاوطنی، اور ان کی غریب الوطنی کی مدت ہماری قومی زندگی میں ایک نشان منزل کی حیثیت رکھتی ہے۔ دہلی کے اس تاجدار کی بے بسی نے قومی غیرت اور حمیت کو ابھارا۔ آزادی اور حریت کے مجاہدوں کے عزائم میں پائداری اور استقامت پیدا ہوئی۔ آزادی کی جنگ نے مختلف روپ دھارے۔ اور بالآخر ایک مرد درویش کی قیادت میں عدم تشدد اور اتحاد قومی کے ہتھیاروں سے اس معرکے کو سر کیا گیا اور ہمارے وطن نے مکمل آزادی حاصل کی۔ آزادی کے اس دور میں اس بے بس تاجدار کی یاد ضرور آتی ہے جس کی شاعری میں ہماری بدبختیوں کی جھلکیاں ہیں اور ایک بہتر مستقبل کی آرزو کی دشواریاں ہیں۔ بہادر شاہ ظفر کی یاد ہمارے قومی عزم کو استقامت پہنچاتی ہے کہ ہم خود غرضی اور جھوٹی جھوٹی جتھابندیوں کے عذاب سے وطن کے مستقبل کو محفوظ رکھیں گے اور اپنی نئی آزادی کو ایک صالح اور مضبوط سماج کے بنانے کا موقع بنا سکیں گے۔

ذاکر حسین

امریکی طلبہ اور اردو تعلیم

۱۸ ستمبر ۱۹۶۲ء کو شعبۂ اردو دلی یونیورسٹی نے ان امریکی طلبہ کے لئے جو ہندی اور اردو پڑھنے ہندوستان آئے ہیں، ایک استقبالیہ تقریب کا انتظام کیا۔ جلسہ کی صدارت جناب ڈاکٹر نگیندر، صدر شعبۂ ہندی دلی یونیورسٹی نے فرمائی۔ غیر ملکی طلبا کا خیر مقدم کرتے ہوئے ڈاکٹر نارنگ نے کہا کہ "امریکہ اور ہندوستان کے درمیان دوستی کے تعلقات خاصے پرانے ہیں۔ آزادی کے بعد یہ اور بھی مضبوط ہوتے جا رہے ہیں۔

آخر میں ڈاکٹر نگیندر صدر جلسہ نے تقریر کی اور فرمایا کہ: ہندوستان میں علاقائی زبانیں تو بہت ہیں لیکن مرکزی حیثیت ہندی کو اور اس کے ساتھ ساتھ اردو ہی کو حاصل ہے۔ ان دونوں زبانوں میں گہرا رشتہ ہے۔ باہر سے آنے والے جو لوگ یہاں کے کلچر اور تہذیبی و ملکی روایات کو سمجھنا چاہتے ہیں انھیں یہ دونوں زبانیں پڑھنا چاہئیں۔

(سکریٹری شعبۂ اردو۔ دلی یونیورسٹی)

حکومت یوپی کی انعامی کمیٹی کا اعلان

حکومت یوپی کی ہندی کمیٹی کی طرف سے ہندی، اردو اور سنسکرت کی اعلیٰ تصانیف پر جو مختلف انعامات دیے جاتے ہیں ان کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ اسی اعلان میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سنہ ۶۲ء کے لئے ہندی کتابوں پر انعامات کے لئے مخصوص کل رقم ۲۲۵۰۰ روپے کا نصف سے کچھ زیادہ حصہ ہی بروئے کار لایا جا سکا ہے۔ کیونکہ انعام کے لئے جو کتابیں پیش کی گئی تھیں ان میں سے بیشتر ناموزوں پائی گئیں۔

اتر پردیش انعام کمیٹی نے اپنے جلسہ میں جو گورنر ڈاکٹر سمپورنانند کے زیر صدارت ہوا اس امر پر اظہار افسوس کیا کہ ۱۹۶۱-۶۲ء کے دوران ہندی کی معیاری اور طبع زاد کتابیں کافی تعداد میں نہیں پیش کی گئیں۔

سنسکرت اور اردو کتابوں کی صورت حال تسلی بخش رہی کیونکہ ان زبانوں کے مصنفین نے انعامات کی کل رقم حاصل کر لی۔

اردو کتابوں کے لئے مخصوص ۵۰۰۰ روپیہ کا غالب انعام مرزا جعفر علی خاں اثر کو ان کی کتاب "فرہنگ اثر" پر دیا گیا۔ ۱۲۰۰ روپے کا اکبر الہ آبادی انعام شری صباح الدین عبدالرحمن کو ان کی کتاب "ہندوستان کے عہد وسطیٰ کا فوجی نظام" پر، اور ڈیڑھ سو روپے کا رام پرشاد بسمل انعام شری سراج لکھنوی کو ان کی کتاب "شعلۂ آواز" پر دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ اردو کے حسب ذیل مصنفین کو پانچ پانچ سو روپے کے متفرق انعامات دئے گئے۔ شری غلام ربانی تاباں ("حدیث دل")، رشید احمد صدیقی ("ہم نفسان رفتہ")، شجاعت علی ("حالی بہ حیثیت شاعر")، محمد عتیق صدیقی ("گلکرسٹ اور اس کا عہد") اور رام لال ("گلی گلی")۔

شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا تعزیتی جلسہ

۲۵ ستمبر ۶۲ء کو شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی میں ڈاکٹر محی الدین قادری زور مرحوم کے انتقال پر ملال پر زیر صدارت پروفیسر آل احمد سرور ایک تعزیتی جلسہ ہوا۔

سرور صاحب کی تقریر کے بعد ایک تعزیتی تجویز پاس کی گئی۔ چند منٹ کی خاموشی و فاتحہ کے بعد مرحوم کے سوگ میں شعبۂ اردو کو بند کرنے کا اعلان کیا گیا اور جلسہ برخاست ہو گیا۔

بزم ادب دہلی کالج

۱۵ ستمبر کو بزم ادب دلی کالج کی طرف سے سال رواں کی افتتاحی تقریب عمل میں آئی۔ سید سجاد ظہیر نے جلسے کا افتتاح کیا۔ جناب نور الدین صاحب میر دلی کارپوریشن نے صدارت فرمائی۔ جلسہ کی کارروائی کا آغاز مومن دہلوی کی ایک غزل سے ہوا جسے دلی کے ممتاز موسیقار استاد ہلال خاں نے اپنی مترنم آواز میں سامعین کے سامنے پیش کیا۔

معاصر

یو، پی لسانی کمیٹی کی رپورٹ

اُردو کے بارے میں یو، پی لسانی کمیٹی کی رپورٹ کا خلاصہ بعض اخبارات میں شائع ہو گیا ہے۔ اس کمیٹی سے کچھ زیادہ توقعات تھیں بھی نہیں، چنانچہ اس کی سفارشوں میں کوئی نئی بات نہیں ہے دوسری زبانوں کے طفیل میں اُردو کو جو حقوق ملے ہیں اور جن کو مرکزی اور صوبائی حکومتیں بھی مانتی ہیں، ان میں بعض جزوی ترمیموں اور اصلاحوں کے علاوہ اس کمیٹی نے کوئی ایسی سفارش نہیں کی ہے جس سے اُردو کی پوزیشن میں کوئی خاص تبدیلی پیدا ہو، اسی لئے کمیٹی کے ہندی کے ارکان نے بھی ان سفارشوں سے کوئی اختلاف نہیں کیا ہے۔

ان سفارشوں میں پرانے نیم سرکاری اور آزاد اسلامی مکاتب کو لوکل بورڈ کے تعلیمی نظام کے ماتحت لاکر ان کو اُردو میڈیم اسکول بنانے کی تجویز البتہ نئی ہے، مگر یہ ہمیشہ سے اُردو کے اسکول چلے آرہے ہیں، اس سے اُردو کو نیا حق کیا ملا، ان کو سرکاری نظام تعلیم کے ماتحت لانے سے اگر اردو کی تعلیم میں کچھ سہولتیں حاصل ہوں گی تو اس کے شرائط خصوصاً مدرسین کے لئے مسلم کی شرط ختم کردینے سے ان مکاتب کو فائدہ سے زیادہ نقصان پہنچے گا، اور ان کی دینی تعلیمی حیثیت بالکل ختم ہو جائے گی، ان کی ٹیکسٹ بکوں کی زبان کے بارے میں جو سفارش کی گئی ہے وہ اُردو کے لئے سخت مضر ہے اس سے اُردو زبان ہندی بن جائے گی اور رسم الخط کے علاوہ ان دونوں میں کوئی فرق نہ رہ جائے گا۔ اگر کسی درجہ میں یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان سفارشوں سے اُردو کو کچھ سانس لینے کا موقع مل جائیگا تب بھی ان تجویزوں پر عمل کا اصل مسئلہ باقی رہ جاتا ہے جس کا ان سفارشوں میں بھی کوئی اطمینان بخش حل نہیں ہے۔ اور اُردو کے مطالبات کے بعد سب سے اہم مسئلہ یہی ہے کہ ان سفارشوں پر عمل کی کیا ضمانت ہو گی۔ اسکی دو ہی صورتیں ہیں۔ اُردو کو جو حقوق بھی ملیں ان کو قانونی حیثیت دیجائے یا پھر حکومت کے عمال کی ذہنیت میں تبدیلی پیدا ہو جس کی سردست کوئی امید نہیں ہے اس رپورٹ میں بعض اور خامیاں بھی ہیں۔ پوری رپورٹ شائع ہونے کے بعد ہم ان کے بارے میں تفصیلی خیالات پیش کریں گے۔

(معارف اعظم گڑھ)

بقیہ

حیدری کی ایک غیر مطبوعہ تاریخ

"اس جنون میں نادر شاہ نے اپنی رعایا اور امراء پر ایسے ایسے مظالم ڈھائے کہ اُن کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور بدن میں کپکپی پیدا ہو جاتی ہے کسی کو زندہ جلا دیا، کسی کے گوشت ناخن الگ کر دیئے، آخر ان مظالم سے تنگ آکر سپاہیوں نے بغاوت کی اور نادر شاہ کا سر کاٹ کر بچوں کو کھیلنے کے لئے دے دیا۔"[1]

نادر شاہ کے قتل کے بعد درانی سردار اور سپاہی احمد شاہ ابدالی کو اپنا بادشاہ منتخب کرتے ہیں، اور اسی پر یہ تاریخ ختم ہو جاتی ہے،

حیدری نے صاف اور آسان ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ترجمے کی وقت کے پیش نظر کہیں کہیں عبارت کا صرف مطلب یا خلاصہ لکھ دیا ہے اور فارسی استعارات، تراکیب اور تشبیہات بھی جوں کی توں رہنے دی ہیں، فارسی تراکیب اور قدیم طرز نگارش کی وجہ سے تعقید لفظی پیدا ہو گئی ہے جس نے سلاست کا جابجا خون بھی کیا ہے اور بعض بعض ابواب کی عبارتیں اتنی پیچیدہ اور گنجلک ہو کر رہ گئی ہیں کہ مطلب آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا ہے، ان چند خامیوں کے باوجود حیدری کی اس غیر مطبوعہ تاریخ کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا مگر افسوس کا مقام ہے کہ بہادر علی حسینی میر منشی فورٹ ولیم کالج کی "تاریخ آسام" کی طرح یہ کتاب بھی چھپ کر منظر عام پر نہیں آسکی اور اُردو ادب، خصوصاً تاریخ کا دامن ایک عمدہ، مفید اور دلچسپ تاریخ سے خالی رہ گیا۔

تاریخ نادری کا غیر مطبوعہ نسخہ، صاف لکھا ہوا ہے اس کا سائز ۹×۵ ہے ۴۵۶ اوراق پر پھیلا ہوا ہے، ضخیم وجسیم ہونے کے باوجود اتنا دلچسپ اور معلومات افزا ہے کہ پڑھتے وقت طبیعت کو کہیں بھی اُلجھن یا گرانی محسوس نہیں ہوتی، فورٹ ولیم کی دوسری کتابوں کی طرح تاریخ نادری کے آخر میں بھی تاریخی قطعات درج ہیں، ایک کھیم نراین صاحب کا ہے جو حیدری کے عقیدتمندوں میں تھے۔ اور تاریخ نادری کے ترجمہ کو اتنا پسند کیا تھا کہ مترجم کی تعریف میں قطعہ بھی کہہ ڈالا تھا، حیدری نے تبرکاً کھیم نراین کے اس قطعہ کو سب سے آخر میں درج کیا ہے، سہ

ق

تاریخ نادری کو کیا جس نے ترجمہ — ہندی زباں میں اس کو بخوش خوشنوی
رنگ گل سعادت و بوئے گل شرف — حیدر کے حسب سے ہے ملقب بہ حیدری

اس قطعہ پر ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کا یہ خطی نسخہ ختم ہوتا ہے، اور اس کی پشت پر فورٹ ولیم کالج کی مہر اردو ہندی اور انگریزی میں ثبت ہے، حیدری کی یہ تاریخ شائع ہو جاتی تو اُردو کے تاریخی ادب میں بیش بہا اضافہ ہوتا۔

---

[1] تاریخ نادری اق ان ورق ۴۵۵۔

ڈاکٹر محمد حسن

تبصرے

ہندوستانی لسانیات کا خاکہ

تصنیف: پروفیسر احتشام حسین۔
ضخامت ۲۸۸ صفحات قیمت دو روپیہ۔ مجلد ۵۰/۲۔
ناشر: دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ۔

یہ احتشام صاحب کی مشہور کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے جسے دانش محل نے شائع کیا ہے۔ اس بار یہ چھوٹے سائز پر چھپی ہے۔ مقدمے کی ضخامت ۴۴ صفحات تک پہنچ گئی ہے جس کے بعد جان بیمز کی کتاب کا ترجمہ شامل کیا گیا ہے۔ مقدمے میں احتشام صاحب نے بعض نہایت خیال انگیز اور مفید باتیں کہی ہیں جن سے لسانیاتی مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔ مقدمے میں کچھ ترمیم اور تبدیلی کی گئی ہے اور اسے جدید لسانیاتی تحقیقات کی روشنی میں اور زیادہ مکمل بنایا گیا ہے، مثلاً طبع اول کے وقت پروفیسر شوکت سبزواری کی کتاب نہیں چھپی تھی۔ اس بار مقدمے میں ان کی کتاب "اردو زبان کا ارتقا" کا ذکر موجود ہے جس میں انھوں نے یہ خیال پیش کیا ہے کہ "اردو کی ابتدا کا سراغ پالی میں تلاش کرنا چاہیے کیونکہ قواعدی ساخت کے اعتبار سے اردو سب سے زیادہ اسی سے مماثلت رکھتی ہے۔" احتشام صاحب کے رواں اور شستہ ترجمے اور فاضلانہ مقدمے کی افادیت مسلم ہے۔ یہ کتاب اردو کے لسانیاتی ادب میں ایک نہایت قابل قدر اضافہ ہے۔ سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ لسانیات کے خشک اور ٹھیٹھ سائنٹفک مسائل کو بھی سیدھے اور صاف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

سمندری لٹیرے

مترجم: فضل الرحمٰن۔
ضخامت ۱۱۲ صفحات۔ قیمت ۵۰/۲۔
مطبوعہ ساہتیہ اکادمی نئی دہلی۔

یہ کتاب مشہور ڈراما نگار ابسن کے ڈرامے دی وائکنگس آف ہلگے لینڈ کا اردو ترجمہ ہے۔ شروع میں مترجم نے ۱۲ صفحات کے تعارفی نوٹ میں ڈراما نگار اور ڈرامے کے بارے میں چند اہم باتیں لکھی ہیں۔ کاش کہ ساہتیہ اکادمی اپنے ترجموں کے ساتھ تفصیلی مقدمے بھی شامل کرلیا کرے تاکہ ان کتابوں کی تنقیدی اہمیت اور تجزیے کا شعور عام ہو سکے۔ یہ ترجمہ فضل الرحمٰن صاحب نے کیا ہے اور آشنائے فن ہو کر کیا ہے رواں اور شستہ ہے۔ کہیں کہیں البتہ بعض مکالمے اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ ترجمہ پڑھا جارہا ہے مگر ایسے مقامات کم ہیں۔

ساحر اور اس کی شاعری

مرتبہ: پرکاش پنڈت۔
ضخامت: ۱۵۹ صفحات، قیمت ایک روپیہ۔
ناشر: اسٹار پبلیکیشنز ۲۲۰۱۰ دریا گنج دہلی ۶۔

یہ مختصر سی اسٹار پاکٹ سیریز کی کتاب ساحر لدھیانوی کی شخصیت، کارناموں اور شاعری کا تعارف ہے۔ ساحر اس دور کے مقبول ترین شاعروں میں سے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان کی مقبولیت میں فلم کو بھی دخل ہے، لیکن ان کے کلام کی لطافت، شیرینی، گداز اور نغمگی ایسی خصوصیات ہیں جو ان کی شاعری کو دل نواز اور جاذب توجہ بناتی ہیں۔ اس مجموعے کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک حصہ ان کی شخصیت اور غم ذات سے معمور ان کی نظموں کے لئے وقف ہے۔ دوسرے میں مختلف ادیبوں نے ان کے فن پر اظہار خیال کیا ہے اور ان کے کلام کا انتخاب دیا گیا ہے۔ تیسرے حصے میں ان کے فلمی گیتوں پر جاں نثار اور نرگس کے مضامین ہیں اور ان کے مقبول فلمی گانوں کا انتخاب شامل ہے۔ ساحر کے لاتعداد نوجوان عقیدت مند اس مجموعے کا پرجوش خیر مقدم کریں گے۔

پبلشر نذیر حسن پرنٹر وقمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا